Date of Publication : 16-06-2014

PRICE Rs. 2/-

POSTED ON 17-18 June 2014
R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2012-14
Licensed to Post Without Prepayment U (C)160/2012-14

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

22-28 June 2014
Issue: 24, Vol.:73

۲۲ تا ۲۸ر جون ۲۰۱۴ء
شمارہ نمبر: ۲۴، جلد نمبر: ۷۳

مہمان اداریہ

شمیم حنفی

رات گزری تھی کہ پھر رات آئی

ہمارے ملک کے ادبی معاشرے میں یو. آر. اننت مورتی کی حیثیت کئی لحاظ سے ممتاز ہے۔ وہ ہندستانی ساہتیہ اکیڈمی کے صدر رہے اور ہر زبان کے ادیبوں نے انھیں ہمیشہ عزت اور قدر کی نظر سے دیکھا۔ ان کے ناول ''سنسکار'' کو غیر معمولی شہرت ملی۔ اس ناول پر فلم بھی بنی اور اسے عالمی پیمانے پر سراہا گیا۔ یو. آر. اننت مورتی اپنی مادری زبان کنڑ کے علاوہ انگریزی میں بھی لکھتے ہیں اور ان کا تعلق صرف ادب سے نہیں ہے۔ آرٹ، ادب، فنون، سماجی علوم، فلسفہ اور تاریخ کے تمام شعبوں پر ان کی مضبوط گرفت رہی ہے اور ان کا شمار اس ملک کے سب سے سنجیدہ، مخلص اور معتبر دانش وروں میں کیا جاتا ہے۔ وہ ایک روشن خیال، روادار، انسان دوست عالم کے طور پر جانے جاتے ہیں۔

کچھ دنوں پہلے مین بوکر انعام کے لیے دنیا کے جو دس ادیب منتخب کیے گئے ان میں ہندستان سے اننت مورتی اور پاکستان سے انتظار حسین کے نام بھی شامل تھے۔ دونوں آپس میں دوست بھی ہیں۔ پچھلے ہفتے ایک کانفرنس کے سلسلے میں لاہور جانا ہوا تو انتظار صاحب کے ساتھ بھی کچھ وقت گزرا۔ ایک اجلاس کے دوران انتظار صاحب نے، جو پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے، یہ اطلاع دی کہ سرحد پار سے عجیب خبریں آرہی ہیں۔ جنوبی ہندستان کے شہر بنگلور میں، جہاں اننت مورتی کا قیام ہے، ہندو فاشسٹ تنظیموں کے کارکن ان کی جان کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ ان کے گھر پر پتھراؤ کیا جاتا ہے، فون پر انھیں گالیاں دی جاتی ہیں، ڈاک سے انھیں دھمکیوں بھرے خط بھیجے جاتے ہیں۔ اننت مورتی کا قصور بس اتنا ہے کہ انھوں نے ہندستان کے حالیہ انتخابات سے پہلے ایک بیان دے دیا تھا جو کچھ لوگوں کو پسند نہیں آیا — یہ کہ اگر اس ملک میں سیکولر طاقتوں کی شکست ہوئی تو وہ اپنا وطن چھوڑ کر کہیں اور جا بسیں گے۔ اب این ڈی اے کی حکومت قائم ہوجانے کے بعد انھیں گھر چھوڑ کر کراچی میں جا بسنے کے لیے ہوائی ٹکٹ بھیجا جارہا ہے — ''ہندستان چھوڑ دو!''

ظاہر ہے کہ فرقہ پرست جماعتوں کی طرف سے یہ پیغام صرف اننت مورتی کے لیے نہیں ہے۔ ایسے تمام افراد جو سیکولرزم اور جمہوری قدروں میں یقین رکھتے ہیں، کیا ان کی جگہ کہیں اور ہے!

معاصر انگریزی روزنامے ''ہندو'' میں راج وندر سنگھ (بالعموم بین الاقوامی معاملات اور مسئلوں پر لکھنے والے معروف فری لانس جرنلسٹ) کا ایک تبصراتی مضمون چھپا ہے (۵ر جون ۲۰۱۴ء)۔ ان کا خیال ہے کہ ہمارے ملک کی اکثریت کے شعور میں دانشوروں کے لیے بہت تھوڑی سی جگہ رہ گئی ہے۔ اننت مورتی کو فون پر جس طرح ڈرایا دھمکایا جارہا ہے، اس کے پیش نظر، بقول اننت مورتی ہمیں اپنے آپ سے پوچھنا ہوگا کہ کیا یہی (کوتاہ ذہن) نوجوان ہندستان کی جمہوریت کا مستقبل ہوں گے؟ ان جہالت زدگاں کو کون یہ بتائے گا کہ جمہوریت کا دار و مدار افکار اور اختلاف کی آزادی پر ہے۔ ادب کی تخلیق کرنے والوں کا شعور، بہرحال، صرف اپنی زبان اور اپنے ملک کی حدوں کا پابند نہیں ہوتا۔ انھیں ایک آفاقی اور عالمی رول ادا کرنا ہوتا ہے۔ وہ ایسے بنیادی سماجی سیاسی سوالوں کے ساتھ سامنے آتے ہیں جنھیں حکومتیں کبھی کبھی بآسانی اثر انداز کردیتی ہیں۔

پچھلی حکومت کے دوران بدعنوانی کا ایسا شور مچا کہ الحفیظ والاماں۔ اب ہندستان کے عوام نے ایک نئی حکومت کا انتخاب کیا ہے۔ تو کیا اب ایک نئے عذاب کی شروعات ہوگی؟ یہ کیسا سلسلہ ہے؟ بقول احمد مشتاق:

رات گزری تھی کہ پھر رات آئی!

خدا کرے یہ اندیشہ غلط ثابت ہو!

●❖●

B-144، ذاکر باغ، اوکھلا روڈ، نئی دہلی 110025

پہلی قسط

اردو شاعری کے کچھ مشہور گھرانے

محمد ایوب واقف (سی کوین اپوینو-بی، فلیٹ نمبر ۵۰۷، ساتویں منزل، سیکٹر ۱۳، کوپر کھیرانے، نئی ممبئی-۴۰۰۷۰۹)

اردو ادب کی تاریخ میں ایسے بہت سے خوش بخت اور تاریخ ساز خاندان ہیں جن کے افراد نے اردو شاعری کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا اور اردو شاعری کو وہ میلان، رجحان اور سلیقہ عطا کیا جس کے لیے تعریف اور احترام کے علاوہ کچھ اور سوچا ہی نہیں جاسکتا۔ اردو شاعری کے دور اول یعنی شاہ مبارک آبرو، شیخ شرف الدین مضمون، محمد شاکر ناجی، غلام مصطفیٰ خاں یکرنگ اور محمد احسن احسن سے لے کر شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال، سیماب اکبرآبادی، جگر مرادآبادی، یاس یگانہ چنگیزی اور پھر ترقی پسند تحریک سے وابستہ شعرا اسرار الحق مجاز، فیض احمد فیض، علی سردار جعفری، معین احسن جذبی، مجروح سلطانپوری، مخدوم محی الدین، جاں نثار اختر اور ساحر لدھیانوی کے ساتھ ساتھ جدیدیت کے علمبردار شعرا مثلاً بشیر بدر، ندا فاضلی، شمس الرحمٰن فاروقی، باقر مہدی، محمد علوی اور عمیق حنفی وغیرہ تک ایسے خاندانوں کی نشان دہی ایک ایسا اہم موضوع ہے جس پر مستقل مزاجی سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسے مشہور اور گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے شعرا تک رسائی حاصل کرنا آسان کام نہیں اور پھر چند صفحات پر مشتمل مضمون میں ان تمام شعرا کی تفصیلات پیش کرنا بڑا جانکاہ مسئلہ ہے۔ اسی لیے سردست میری کوشش یہی رہے گی کہ میں اردو شاعری کی تاریخ کے ان چند بہت مشہور گھرانوں سے وابستہ شعرا تک ہی اپنی گفتگو کو مرکوز رکھوں جن تک رسائی قدرے آسان ہے۔

اردو شاعری کی تاریخ کا سب سے بڑا اور مشہور گھرانا میر ببر علی انیس کا ہے۔ اپنے خاندان کے شاعرانہ وقار، رعب اور دبدبہ کا تعارف میر انیس نے بڑے فخریہ انداز میں کراتے ہوئے یوں کہا ہے:

عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

شمس العلما مولانا شبلی نعمانی نے موازنے کی اپنی بے مثل اور یکتائے روزگار کتاب 'موازنۂ انیس و دبیر' میں لکھا ہے کہ میر انیس کا خاندان اصلاً دلی کا تھا لیکن ان کے پردادا میر ضاحک نے عالم میں انتخاب شہر دلی کو خیرباد کہہ کر فیض آباد میں سکونت اختیار کرلی تھی، لیکن دلی کی فرخندہ فال (Auspicious) زبان کی خصوصیات کو اس خاندان کے افراد نے فیض آباد میں بھی ترک نہیں کیا۔ میر ضاحک کے ہی زمانے میں خدائے سخن میر تقی میر لکھنؤ آئے۔ کسی بات پر میر ضاحک ان سے خفا ہو بیٹھے اور ان کے خلاف ہجو لکھ دی۔ میر کو اس میں اپنی توہین نظر آئی۔ نتیجتاً انھوں نے بھی ہجو لکھی۔ 'آب حیات' کے مصنف مولانا محمد حسین آزاد نے میر تقی میر اور میر ضاحک کے درمیان کی ہجویہ نوک جھونک کی تفصیل کچھ اس طرح پیش کی ہے:

''میر نے ان کے حق میں گستاخی کی ہے۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ اول کسی موقع پر انھوں نے میر کے حق میں کچھ فرمایا۔ میر خود ان کے پاس گئے اور کہا کہ آپ بزرگ ہیں میں خورد۔ آپ سید میں آپ کے جد کا غلام، عاصی اس قابل نہیں کہ آپ اس کے حق میں کچھ ارشاد فرمائیں۔ ایسا نہ کیجیے کہ مجھ گنہگار کے منہ سے کچھ نکل جائے اور قیامت کے دن آپ کے جد کے سامنے روسیاہ ہوں۔ تلامیذ الٰہی کے دماغ عالی ہوتے ہیں، ان کی زبان سے نکلا کہ نہیں بھائی، یہ شاعری ہے اس میں خوردی و بزرگی کیا۔ سودا آئیں تو کہاں جائیں۔ پھر جو کچھ انھوں نے کہا خدا نہ سنوائے۔ یہ بھی بزرگوں سے سنا کہ مرزا نے جو کچھ ان کی جناب میں یاوہ گوئی کی ہے میر موصوف نے اس سے زیادہ خراب و خوار کیا تھا۔ لیکن وہ کلام عجیب طرح سے فنا ہوا۔''

(آب حیات، مصنفہ مولانا محمد حسین آزاد، ص ۲۰۳)

مندرجہ بالا اقتباس سے کئی خاص باتوں کا علم ہوتا ہے۔ اول تو یہ کہ میر اپنی تمام تر خودبینی کے باوجود مصالحت پسندانہ رویہ رکھتے تھے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ میر ضاحک جن کا نام سید غلام حسین تھا، اپنے عہد کے پایے کے شعرا میں شمار کیے جاتے تھے۔ میر انیس کے دادا میر حسن کی بلند پایہ شاعری کا اعتراف ان کے عہد میں تو کیا ہی گیا آج بھی ناقدین ادب ان کی مثنوی 'بدر منیر' کو اعلا پایے کی مثنوی تسلیم کرتے ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی نے اس مثنوی کے تعلق سے 'موازنۂ انیس و دبیر' میں لکھا ہے کہ ''وہ یعنی میر حسن جس واقعہ یا حالت کو لکھتے ہیں اس کا سماں باندھ دیتے ہیں''۔ میر حسن نے غزلیں بھی کہیں۔ ان کی غزل گوئی کا چرچا ان کے عہد کے اکابرین ادب نے خوب خوب کیا۔

میر انیس کے والد محترم میر خلیق بھی فن مرثیہ نگاری کے دلدادہ تھے۔ میر انیس اپنے کلام پر انہی سے اصلاح لیتے تھے۔ میر انیس شروع شروع میں دوسرے شعرا کی طرح غزلیں کہا کرتے تھے لیکن والد محترم میر خلیق نے جب بیٹے کو تاکیدی حکم دیا کہ غزل گوئی سے باز آجاؤ اور اس شغل میں زور طبع صرف کرو جو دین و دنیا کا سرمایہ بنے۔ میر انیس سعادت مندی کے جذبے سے متصف تو تھے ہی لہٰذا باپ کے مشورے پر عمل پیرا ہونے کے لیے غزل گوئی سے تائب ہوگئے۔ اس کے بعد تخلیقی قوتوں کا سرچشمہ ان کا قلم سلام، مرثیہ، رباعی اور نوحے کی طرف پوری قوت اور شدت کے ساتھ متوجہ ہوا اور اپنی بہتر سالہ زندگی میں اس میدان خاص کو اپنی ہنرمندیوں سے بلند تر کردیا۔ تاریخ ادب اردو کے مصنف رام بابو سکسینہ کے بموجب میر انیس نے ایک لاکھ سے زیادہ اشعار کہے۔ ناقدین ادب اردو کا یہ خیال کسی طرح غلط نہیں کہ میر انیس کے مرثیوں نے فن مرثیہ نگاری کو وہ عروج بخشا کہ جس کی کوئی مثال نہیں۔ ان کی ذات سے اردو کا رثائی ادب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مالا مال ہوگیا۔

میر انیس کی تخلیقی قوتیں بے پناہ تو تھیں ہی اس پر سونے پر سہاگہ کا کام میر ضمیر کے لائق و فائق شاگرد مرزا دبیر نے کیا۔ مرزا دبیر میر انیس کی طرح خاندانی شاعر تو نہیں تھے لیکن قدرت کی طرف سے فن شاعری خصوصاً فن مرثیہ نگاری میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ وقت کے دو انتہائی بڑے اور قدآور مرثیہ گو شاعروں کے درمیان وہ مقابلہ ہوا کہ جو اپنی نظیر آپ بن گیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو زیر کرنے کی غرض سے سو سو جتن کیے۔ اس جتن نے مرثیوں کا انبار لگا دیا۔ ان مرثیوں میں دونوں جانب سے نادر تشبیہات و استعارات، تلمیحات و محاورات اور بلاغت و فصاحت کا وہ زور دکھایا گیا کہ دنیائے ادب انگشت بدنداں رہ گئی۔ دونوں شاعروں کے طرف داروں اور پرستاروں کے الگ الگ خیمے بن گئے۔ دونوں کے نام سے نظریات کے اسکول قائم ہوگئے۔ انیس کے چاہنے والے انیسیے کہے جانے لگے اور دبیر کو پسند کرنے والوں کو دبیریے کہا جانے لگا۔ لیکن ایک بات تو طے ہے کہ دونوں سربرآوردہ شاعروں کو ایک دوسرے سے بلا کا حوصلہ اور غضب کی قوت گویائی نصیب ہوئی۔ دونوں شاعروں کی مقابلہ آرائی کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے آیئے انیس اور دبیر کے دو دو اشعار دیکھتے چلیں، تو لیجیے پہلے انیس کو ملاحظہ فرمائیں:

لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

نوآموزوں نے ترقی اے انیس
ہر اک زاغ کو خوش بیاں کر دیا

اب دبیر کو دیکھیے:

شیریں مقالی کو جو بیاں بند کروں
گلچیں کے نکات کے جہاں بند کروں
طلاقی مضموں کا ہے دعویٰ سب کو
کھل جائے حقیقت جو زباں بند کروں

میر انیس نے شاعری کے سلسلے میں اپنی جس پانچویں پشت کی بات ایک شعر میں کہی ہے اس کا سرا ان کے بیٹے میر نفیس تک پہنچتا ہے۔ میر نفیس نے بھی اپنے والد محترم میر انیس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مرثیے کہے لیکن مضمون کے طویل ہونے کے خوف سے ان کے ذکر سے ہم معذور ہیں۔ بہرحال یہ بات تو بالکل طے ہے کہ اردو شاعری کے مشہور گھرانوں میں مرثیہ نگاری کے امام میر انیس کا گھرانا اپنے آپ میں ایک ایسی مثال ہے جس پر اردو کو فخر ہے۔

میر انیس کے گھرانے کے بعد آیئے اب خانوادۂ حضرت سیماب اکبرآبادی کی طرف مراجعت کریں اور دیکھیں کہ اس گھرانے نے اردو شاعری کے سفر کو کہاں تک پہنچایا ہے۔ علامہ سیماب اکبرآبادی سے پہلے ان کے گھرانے کے کسی فرد کو اردو شعر و شاعری سے وابستگی تھی یا نہیں اس سے ہمیں سروکار نہیں ہے لہٰذا ہم اپنی بات کو سیماب اکبرآبادی سے ہی شروع کرتے ہیں۔ سیماب اکبرآبادی کے بارے میں سب سے پہلی بات یہ عرض کردی جائے کہ اردو کی پوری شاعری کی تاریخ میں وہ ہمارے ان برگزیدہ ذہن و فکر کے شعرا میں شامل ہیں جنھوں نے اپنے اپنے وقت میں بیش بہا اور بے ساختہ شعر و سخن کی نمائندگی کی۔ بعض ناقدین نے اس طرح کی خیال آرائی بھی کی ہے کہ عہد

سیماب اکبرآبادی میں ڈاکٹر اقبال کی موجودگی نے سیماب اکبرآبادی کے شعری و فکری قد پر قدغن لگا دی۔ دوسرے لفظوں میں اس امر کو یوں سمجھ لیں کہ جس مقام کے وہ حقدار تھے علامہ اقبال کی موجودگی اور ان کی شاعری کی گونج نے وہاں تک انھیں پہنچنے نہ دیا۔ ہم اس توجیہ یا دلیل کو قطعی خارج از بحث تصور کرتے ہیں۔ شاعر مشرق علامہ اقبال اور شاعر عہد آفریں علامہ سیماب اکبرآبادی اگرچہ اسلامی عقائد سے گہری وابستگی رکھتے تھے اور دونوں کے دل و ذہن اسلام کے جذبات سے سرشار تھے اس کے باوجود شاعری کے اسالیب اور موضوعات دونوں کے یہاں بالکل علاحدہ تھے۔ اس لیے دونوں کا موازنہ کسی بھی طریقے سے مناسب نہیں۔ علامہ اقبال کی شاعری کا موازنہ سیماب سے کیا کسی بھی اردو شاعر سے نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ علامہ اقبال موضوع اور اسلوب کے اعتبار سے اپنی شاعری کے موجد بھی تھے اور خاتم بھی۔ اسی لیے تو اپنی شاعری کے بارے میں انھوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ:

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ است
سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

یا پھر یہ کہ:

عطا ایسا بیاں مجھ کو ہوا رنگیں بیانوں میں
کہ بام عرش کے طائر ہیں میرے ہم زبانوں میں

لیکن ڈاکٹر اقبال کی اس مثالی عظمت و شہرت سے سیماب اکبرآبادی کی افادیت کسی طرح کم نہیں ہوتی۔ سیماب نے اپنے بارے میں خود عرض کیا تھا کہ:

میں ہوں اک مستقل عنوان ہستی کے فسانے میں
مجھے تاریخ دہراتی رہے گی ہر زمانے میں

علامہ سیماب نے شاعری کی ہر جانی پہچانی صنف میں طبع آزمائی کی اور جس صنف میں بھی طبع آزمائی کی اس کی فکری ترنگ میں قابل قدر اضافہ کیا۔ ان کا ایک قابل لحاظ کارنامہ یہ بھی تھا کہ اپنے تلامذہ کی ایک کثیر تعداد انھوں نے تیار کی۔ ان کے ان شاگردوں میں ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی۔ میرٹھ کے مشہور شاعر پی۔ ایس۔ بیمل جوہر اس کی زندہ مثال ہیں، گزشتہ سال ان کا ضخیم شعری مجموعہ 'ترانۂ بیداری' چھپ کر منظر عام پر آچکا ہے۔ علامہ سیماب اکبرآبادی کے تعلق سے ایک خاص بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ انھوں نے جس موضوع کو بھی ہاتھ لگایا اسے ابدی زندگی حاصل ہوگئی۔ ان کی نظم 'تاج محل' اس حقیقت کا زندہ و پائندہ ثبوت ہے۔ ان کی ایک بہت خوب صورت نظم 'یہ کس کی آواز ہے' کے عنوان پر ہے۔ اس نظم میں بابائے قوم نے عام ہندستانی سے خطاب کیا ہے۔ نظم کے ایک شعر میں گاندھی جی نے کیا پتے کی بات کہی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

جب محبت میں اعجاز زندگی ہو جائے گی
ایک ہندستان کیا دنیا تیری ہو جائے گی

علامہ سیماب اکبرآبادی نے آگرہ میں 'قصر الادب' نام کے جس ادارے کی داغ بیل ڈالی تھی، اس ادارے کو ان کی تیسری پشت نے ابھی بھی قائم و دائم رکھا ہے اور ماہنامہ 'شاعر' اسی ادارے کے تحت شائع کیا جارہا ہے۔ علامہ سیماب اکبرآبادی کے بعد ان کے لائق و فائق بیٹے مرحوم اعجاز صدیقی میدان شعر و شاعری میں اترے اور کئی دہائیوں تک مملکت شعر و شاعری سے رشتہ استوار رکھا۔ وہ اردو کے قادر الکلام شاعر تھے۔ انھوں نے اردو کی روایتی شاعری سے کبھی بھی اجتناب نہیں کیا بلکہ اس کے اشتراک سے اردو شاعری کے جدید تقاضوں کو پورا کرنے کا پورا اہتمام کیا۔ ان کی شاعری صاف ستھرے افکار و خیالات پر مشتمل تھی۔ اپنی زندگی میں جن انسانی قدروں کو انھوں نے ورثے میں حاصل کیا تھا انھیں اپنی شاعری کے قالب میں ڈھالا۔ انھوں نے اپنے نامور والد کے یادگار زمانہ جریدہ ماہنامہ 'شاعر' کی مستقل اشاعت کو اپنی ضروریات زندگی میں سب سے بلند مقام پر رکھا۔ ان کی زندگی میں طرح طرح کے حادثات پیش آئے لیکن ماہنامہ 'شاعر' کی اشاعت میں کوئی خلل یا رخنہ پیدا ہونے دیا۔ اردو ان کا دین و ایمان تھی۔ اپنے والد کی طرح انھوں نے بھی ہندستان کی گنگا جمنی تہذیب کو تقویت پہنچائی، اسی لیے انھوں نے ہندستان کی مشترکہ تہذیب کی علامت اور ملک کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو پر ایک طویل نظم لکھ کر اسے کتابی شکل میں شائع کروایا۔ ماہنامہ 'شاعر' کا قومی یکجہتی نمبر ان کی حب الوطنی کا بہت بین ثبوت تھا۔ ان کی غزلوں کے چند اشعار ملاحظہ فرماتے چلیں:

اک دور میں ہر منزل ہستی سے چلا چل
چلنے کی سکت جتنی ہے اس سے بھی سوا چل
ہو مصلحت آمیز کہ نا مصلحت آمیز
جیسا بھی ہو ہر رنگ تعلق کو نبھا چل
صدیوں سے کے در و بام پہ طاری ہے خموشی
ناداری احساس کی زنجیر ہلا چل

دیکھنا ہے کون اب کس کا اڑاتا ہے مذاق
وقت سنجیدہ ہے لیکن لوگ سنجیدہ نہیں

گہرے ہیں کہ ادھر ہو کے سب زندگی کے زخم
خود آدمی نے جھیل دیے آدمی کے زخم

ہوائے خانہ خرابی اگر کچھ اور چلی
مکان ڈھونڈتے رہ جائیں گے مکینوں کو

زندگی تو ہے ازل سے تا ابد
مرگ خوش انجام کی خواہش کرو

سیماب اکبرآبادی کی تیسری نسل میں تاجدار احتشام صدیقی، ناظر نعمان صدیقی، افتخار امام صدیقی اور حامد اقبال صدیقی نے اردو ادب سے اپنے رشتے کو برقرار رکھا۔ تاجدار احتشام صدیقی کا انتقال ہو چکا ہے۔ افتخار امام صدیقی اور حامد اقبال صدیقی نے اپنے گھرانے کی شاندار شعری روایتوں کو اپنے طور پر مضبوط و مستحکم کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ مجھے ان دونوں شاعر بھائیوں کی غزل گوئی میں تازگی اور نئی شعری معنویت کا احساس ہوتا ہے۔ ان کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

اس میں کوئی شکوہ نہ شکایت نہ گلہ ہے
یہ بھی کوئی حق ہے کہ محبت سے بھرا ہے
چہرے میں ہے آئینہ کہ آئینے میں چہرہ
معلوم نہیں کون کسے دیکھ رہا ہے
(افتخار امام صدیقی)

زباں، اظہار، لہجہ بھول جاؤں
بہت ممکن ہے کیا کیا بھول جاؤں
تمھیں آواز سے پہچان لوں گا
یہ ممکن ہے کہ چہرہ بھول جاؤں
میں تیرا نام اتنی بار لکھوں
کہ اپنا نام لکھنا بھول جاؤں
(حامد اقبال صدیقی)

افتخار امام صدیقی نے شعریات کا جادو تو جگایا ہی ہے، ساتھ ہی ساتھ اپنے بھائی ناظر نعمان صدیقی کے ساتھ مل کر ماہنامہ 'شاعر' کو نئی آب و تاب سے آشکار کیا۔ سات سمندر پار کے ترقی یافتہ ملکوں میں اپنے رسالے 'شاعر' کا جھنڈا خوب خوب لہرایا ہے۔ اردو کی نئی بستیوں کی تعمیر میں افتخار امام صدیقی اور ماہنامہ 'شاعر' کا بڑا ہاتھ ہے۔ اب ان کی ایک بڑی خواہش یہ ہے کہ ان کا 78 سالہ رسالہ زندگی کے سو سال پورا کرلے۔ ہم ان کی خواہش کی تکمیل کے لیے خدائے برتر و بالا سے دعا کرتے ہیں۔

خانوادۂ سیماب اکبرآبادی کے ذکر کو یہیں چھوڑتے ہیں اور اس کے بعد اردو کے ایک دوسرے نامور گھرانے کی طرف مراجعت کرتے ہیں۔ اس خاندان کا تعلق اردو کے انتہائی قادر الکلام اور استاد شاعر سید احمد حسین مضطر خیرآبادی سے تھا۔ مضطر خیرآبادی ۱۸۶۹ء میں خیرآباد ضلع سیتاپور میں پیدا ہوئے اور مدھیہ پردیش کے مشہور مقام گوالیار میں ۱۹۲۷ء میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ وہ بنیادی طور پر غزل کے شاعر تھے لیکن ان کی شعر گوئی کا جوہر ان کے نعتیہ کلام میں بھی خوب خوب ظاہر ہوا۔ مضطر خیرآبادی کی شاعری کے سلسلے میں ایک خاص بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ اس میں ہندستانیت کی تصویر کشی بہت معنی خیز حیثیت رکھتی ہے۔ ذرا دیکھیے درج ذیل مصرعوں میں ہماری ہندستانیت کی پہچان کس خوب صورتی سے کرائی گئی ہے:

اپنے من مندر میں آکے گھر بیٹھے ہیں مرے شیام رے
پاپی من ہرا تھا کا جو لیت پیا کا نام رے
مضطر پیا پردیس سدھارے سونے ہوگئے دھام رے

اگر کسی شاعر کے یہاں خوش قسمتی سے کچھ اشعار ضرب المثل کی صورت اختیار کرجائیں تو ایسے اشعار اس کی دوامی مقبولیت کے ضامن بن جاتے ہیں۔ مضطر خیرآبادی کے ساتھ اگرچہ ہمارے ناقدین نے انصاف کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا لیکن ان کی روشن و تابناک شاعری خاص طور سے ان کے ضرب المثل اشعار ان کے نام کو ذہنوں میں تازہ رکھیں گے۔ مناسب ہوگا اگر ان کے کچھ ایسے اشعار جو ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

کوشش بندۂ مجبور سے کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

اسیر پنجۂ عہد شباب کرکے مجھے
کہاں گیا مرا بچپن خراب کرکے مجھے

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

کسی کے درد محبت نے عمر بھر کے لیے
خدا سے مانگ لیا انتخاب کرکے مجھے

مضطر خیرآبادی نے جس خوش فکر شاعری کی بنیاد رکھی تھی ان کے بیٹے جاں نثار اختر نے اس بنیاد پر شاعری کا وہ قصر تعمیر کیا کہ دنیائے شعر و ادب کی وہ مثالی چیز بن گئی۔ جاں نثار اختر کی شاعری پر مشتمل مجموعے 'نذر بتاں'، 'جاوداں'، 'سلاسل'، 'گھر آنگن'، 'خاک دل'، 'تار گریباں' اور 'پچھلے پہر' اردو کے شعری سرمایے میں بے حد اہم اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں خاص طور سے ان کی غزلوں کا مجموعہ 'پچھلے پہر' تو غزل کی خوب صورت لفظیات اور دل آویز خیالات کا بے حد اہم اور پسندیدہ مجموعہ ہے اس لیے کہ عمر کے آخری دنوں میں انھوں نے اردو غزل میں جو نئے اور انیلے تجربے کیے تھے وہ ساری غزلیں اس مجموعے میں شامل ہیں۔ آیئے اس موقعے پر جاں نثار اختر مرحوم کے چند خوب صورت اشعار کا لطف اٹھاتے چلیں۔ یہ وہ اشعار ہیں جو ان کے فکری رجحانات اور طبعی میلانات کا پتا دیتے ہیں، اشعار ملاحظہ فرمائیں:

اور تہذیب غم عشق نبھا دیں کچھ دن
آخری وقت میں کیا اپنی ڈگر کو بھولیں

زندگی یہ تو نہیں تجھ کو سنوارا ہی نہ ہو
کچھ نہ کچھ ہم نے ترا قرض اتارا ہی نہ ہو

اجڑی اجڑی ہوئی ہر آس لگے
زندگی رام کا بن باس لگے

سوائے درد ملامت ملا بھی کیا ہم کو
بہت تھا شوق زمانے کے ساتھ چلنے کا

سوچو تو بڑی چیز ہے تہذیب بدن کی
ورنہ تو بدن آگ بجھانے کے لیے ہے

اشعار مرے یوں تو زمانے کے لیے ہیں
کچھ شعر فقط ان کو سنانے کے لیے ہیں

جاں نثار اختر نے بے پناہ درد و کسک اور اضطراب و بے چینی میں ڈوبی ہوئی صرف غزلیں ہی نہیں کہی تھیں بلکہ ان کے مختلف مجموعوں میں کچھ شاہکار نظمیں بھی ہیں۔ اختر صاحب نے رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری کی رباعیوں کے مشہور مجموعہ 'روپ' کے تتبع میں گھر گرہستی کے لوازمات سے مزین مجموعہ 'گھر آنگن' شائع کیا۔ رباعیوں کا یہ مجموعہ جب اشاعت پذیر ہوا تو اردو ادب کے ہر گوشے اور طبقے میں اس کی خوب خوب پذیرائی ہوئی۔ بعض صاحبان علم و فن نے تو رباعیوں کے اس مجموعے کو فراق کے مجموعہ 'روپ' سے بہتر قرار دیا۔ بہر حال اس رائے سے اتفاق اور عدم اتفاق تو سب کا حق ہے۔ اردو کا یہ البیلا شاعر جسے جاں نثار اختر کہتے ہیں، گوالیار کے ایک بہت علم پرور گھرانے میں ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوا اور زندگی کی سرگرمیاں دکھا کر ممبئی میں ۱۸ر اگست ۱۹۷۶ء کو پیوند خاک ہوگیا۔

(بقیہ صفحہ [illegible] پر)

اُردو دُنیا

سینٹ اسٹیفن کالج میں اردو کے لیے سیٹیں مخصوص

ڈی یو کے ذاکر حسین، دیال سنگھ، کروڑی مل، ستیہ وتی، ماتا سندری اور لیڈی سری رام کالج میں اردو مضمون کے ساتھ داخلہ لینے پر طلبہ کو رعایت کی سہولت

نئی دہلی (۳۰ مئی)۔ دہلی میں سی بی ایس ای کا بارہویں جماعت کا رزلٹ آچکا ہے اور اب طلبہ کالجوں میں داخلہ لینے کے لیے اپنی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ پروفیشنل کورسز میں جانے کی تیاریاں کر رہے طلبہ کو الگ کر دیا جائے تو داخلے کے لیے باقی طلبہ کا رجحان دہلی یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کی جانب زیادہ رہتا ہے۔ داخلوں کا یہ مرحلہ ۳ جون سے شروع ہوگا۔

دہلی یونیورسٹی میں کئی کالج ایسے بھی ہیں جہاں اردو بھی پڑھائی جاتی ہے اور اردو کے ساتھ داخلہ لینے پر طلبہ کو کچھ رعایت بھی ملتی ہے۔ دہلی یونیورسٹی کا سینٹ اسٹیفن کالج بھی ان کالجوں میں شامل ہے۔ اس کالج میں ہسٹری آنرز، انگلش آنرز اور فلاسفی آنرز میں ان طلبہ کے لیے چند سیٹیں مخصوص ہیں جنھوں نے بارہویں جماعت اردو مضمون کے ساتھ پاس کیا ہے۔ اردو کے طلبہ کو کٹ آف میں خصوصی رعایت دی جائے گی۔ یہ رعایت عموماً طور پر 5 سے 15 فی صد تک ہوگی۔ جن طلبہ کا ان کورسوں میں داخلہ ہوگا انھیں اپنے مین سبجیکٹ کے ساتھ ساتھ اردو بھی ایک مضمون کے طور پر پڑھنی ہوگی۔ یہ طلبہ اپنی پسند کے مطابق اردو کے ساتھ فارسی زبان و ادب کا مطالعہ بھی کر سکتے ہیں۔ واضح ہو کہ سینٹ اسٹیفن کالج دہلی یونیورسٹی کے سنٹرلائزڈ فارم میں شامل نہیں ہے اور اس کالج میں داخلے کے لیے طلبہ کو الگ سے فارم بھرنا ہوگا۔ اس کے علاوہ دہلی یونیورسٹی کے کروڑی مل کالج، ذاکر حسین دہلی کالج، دیال سنگھ کالج، ستیہ وتی کالج، ماتا سندری کالج اور لیڈی سری رام کالج میں بھی اردو ڈپارٹمنٹ موجود ہیں۔ ان میں ذاکر حسین اور دیال سنگھ کالج میں مارننگ اور ایوننگ دونوں میں اردو ہے۔ دیال سنگھ کالج اور ماتا سندری کالج میں داخلہ لینے میں اردو طلبہ کو رعایت دی جاتی ہے جب کہ کروڑی مل کالج میں صرف اردو (آنرز) میں ہی رعایت موجود ہے۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

دسویں کے امتحان میں کلکتہ کے اردو میڈیم اسکولوں کی شاندار کارکردگی

اسلامیہ، انجمن، سی ایم او اور نیل گچھیا مسلم ہائی اسکولوں کے طلبہ کے کامیاب ہونے کی متاثر کن شرح

کلکتہ (۲۲ مئی)۔ دسویں کے امتحانات میں کلکتہ کے اردو میڈیم اسکولوں نے شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اگرچہ ریاست گیر نتائج میں اردو میڈیم کے طلبہ جگہ نہیں بنا سکے مگر کامیابی کی شرح اچھی رہی ہے۔ مٹیابرج کے اسلامیہ ہائی اسکول نے صد فیصد کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس کے 131 طلبہ نے امتحانات میں حصہ لیا تھا اور سبھوں کو کامیابی ملی۔ 560 مارکس کے ساتھ محمد ارشد اسکول ٹاپر رہے۔ اسی طرح مٹیابرج کے انجمن گرلس ہائی اسکول نے بھی متاثر کن رزلٹ حاصل کیا۔ اس کے 217 طالبات میں 97 فیصد نے کامیابی حاصل کی ہے۔ 507 مارکس کے ساتھ تبسم خاتون نے اسکول میں ٹاپ کیا ہے۔

چونگی کے سی ایم او ہائی اسکول نے بھی اچھا مظاہرہ کیا ہے۔ اسکول کے ہیڈ ماسٹر سعادت علی بیگ نے بتایا کہ 110 طلبہ نے امتحان میں شرکت کی اور 107 طلبہ نے کامیابی حاصل کی ہے۔ 512 مارکس کے ساتھ شاداب انور نے اسکول میں ٹاپ کیا ہے۔

کھونو ٹولہ، ہولائی دت اسٹریٹ کے محمد جان ہائی اسکول نے بھی اچھی کارکردگی پیش کی ہے۔ 114 میں 110 طلبہ کامیاب ہوئے ہیں جب کہ نل گچھیا مسلم ہائی اسکول نے بھی صد فیصد کامیابی حاصل کی ہے۔ اس کے بھی 42 طلبہ کامیاب ہوئے۔ 503 مارکس کے ساتھ ذکیہ فردوس نے اسکول میں ٹاپ کیا۔ اسی طرح نل گچھیا اردو ہائی اسکول کا 80.8 فیصد رزلٹ رہا۔ وہاں سے 194 طلبہ نے امتحان دیا تھا۔ مومن ہائی اسکول، بیت المال کیلا بگان، اورینٹل اسکول اور پارک سرکس ہائی اسکول نے بھی اچھا رزلٹ حاصل کیا ہے۔

خضر پور مسلم ہائر سکنڈری اسکول کا رزلٹ شاندار رہا۔ کل 103 طلبہ میں 101 بچوں نے کامیابی حاصل کی، جب کہ دو غیر حاضر تھے۔ 10 طلبہ فرسٹ ڈویژن سے کامیاب ہوئے جب کہ باقی بچے سکنڈ ڈویژن سے کامیابی حاصل کی۔

(آبشار، کلکتہ)

پروفیسر خان مسعود احمد خواجہ معین الدین چشتی اردو، عربی، فارسی یونیورسٹی کے وائس چانسلر مقرر

لکھنؤ۔ اترپردیش کے گورنر بی ایل جوشی نے پروفیسر خان مسعود احمد کو لکھنؤ میں واقع خواجہ معین الدین چشتی اردو عربی فارسی یونیورسٹی کا وائس چانسلر مقرر کیا ہے۔ پروفیسر خان مسعود کے عہدے کی مدت تین برس کے لیے ہوگی۔ واضح رہے کہ پروفیسر مسعود جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کی سوشل سائنس فیکلٹی کے ڈین رہے ہیں۔ اس کی اطلاع گورنر کی چیف سکریٹری جوتسنا شرما نے دی۔ پروفیسر خان مسعود نے ۱۹۸۹ء میں دہلی اسکول آف اکنامکس دہلی یونیورسٹی سے یورو کرنسی مارکیٹ کی ساختیات کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ۲۰۰۱ء سے ۲۰۰۳ء تک وہ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا میں بھی علم اقتصادیات کے پروفیسر کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دے چکے ہیں۔

(انقلاب۔ دہلی)

محفوظ الرحمن میموریل لکچر کا اہتمام

نئی دہلی (پریس ریلیز)۔ غیر سیاسی، ادبی اور سماجی تنظیم یونائیٹڈ مسلم آف انڈیا اور اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن کی جانب سے یکم جون ۲۰۱۳ء کو غالب اکیڈمی بستی حضرت نظام الدین، نئی دہلی میں آٹھویں محفوظ الرحمن میموریل لیکچر کا اہتمام کیا گیا جس کی صدارت نیشنل کمیشن برائے اقلیتی تعلیمی ادارہ جات، حکومت ہند کے چیئرمین جسٹس محمد سہیل اعجاز صدیقی نے کی۔ اس موقع پر اردو اکیڈمی دہلی کے نئے وائس چیئرمین پروفیسر خالد محمود اور پروفیسر ابن کنول کو شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی کا دوبارہ صدر مقرر ہونے پر تہنیت پیش کی گئی۔ معروف صحافی جناب سہیل انجم نے پروفیسر خالد محمود اور پروفیسر ابن کنول کا تعارف پیش کیا۔ ڈاکٹر سید احمد خاں نے دونوں شخصیتوں کے تعلق سے کہا کہ ان حضرات کے مخلصانہ تعاون سے ہماری تحریک کو بڑی تقویت ملی ہے۔

اردو میڈیم اسکولوں کو ہائر سکنڈری کا درجہ دیا جائے

ان اسکولوں میں تقریباً 80 آرٹس، کامرس اور سائنس کے شعبے موجود ہیں

کولکاتا (۲۸ مئی)۔ مغربی بنگال بورڈ آف سکنڈری ایجوکیشن کے تحت دسویں جماعت کے امتحان کے اردو میڈیم اسکولوں کے نتائج آچکے ہیں۔ اس امتحان میں کامیاب ہونے والے طالب علموں کی کامیابی شرح 90 فیصد سے تجاوز کر گئی ہے، اس کے باوجود ہائر سکنڈری میں داخلہ لینے کے لیے طالب علموں کا تانتا لگا ہوا ہے۔ امسال مدھیامک امتحان میں ریاست بھر سے 10 لاکھ 42 ہزار 714 طلبہ و طالبات شریک ہوئے جن میں 8 لاکھ 97 ہزار 842 طلبہ و طالبات کامیاب ہوئے ہیں۔ ان میں ڈیڑھ فیصد کے قریب اردو میڈیم اسکولوں کے طلبہ و طالبات کامیاب ہوئے ہیں لیکن ہائر سکنڈری میں انھیں داخلہ لینے میں دشواری ہو سکتی ہے کیوں اردو میڈیم کے ہائر سکنڈری اسکولوں کی تعداد بہت کم ہے اور سائنس تو گنے چنے اسکولوں میں ہی دستیاب ہے۔ مغربی بنگال کے ہائر سکنڈری اسکولوں میں شعبہ آرٹس کی تعداد تقریباً 42، شعبہ کامرس کی تعداد 12 کے قریب جب کہ سائنس شعبے کی تعداد تقریباً 15 ہے۔ ایسے میں سائنس اور کامرس میں داخلہ لینے کے خواہش مند طلبہ کو سب سے زیادہ پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیوں کہ کامیاب طلبہ و طالبات کی بہ نسبت شعبہ سائنس، کامرس اور آرٹس کی تعداد بہت کم ہے۔

اردو میڈیم اسکول کے ایک ٹیچر نے اپنا نام ظاہر کیے بغیر بتایا کہ سکنڈری اور ہائر سکنڈری میں ٹیچروں کی خالی اسامیاں ایک بڑا مسئلہ ہے۔ اسکول سروس کمیشن ٹیچروں کی بحالی کا دعویٰ کرتا ہے مگر حقیقت میں ایسا دیکھنے کو نہیں ملتا ہے۔ یہ عہدے برسوں سے خالی پڑے ہیں اور ٹیچروں کی کمی کے سبب ہر سال مدھیامک امتحان میں ڈراپ آؤٹ طلبہ کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے لیکن حکومت تعلیمی سطح کو سدھارنے میں ناکام ہے۔

محمد جان ہائر سکنڈری اسکول کے ہیڈ ماسٹر محمد حامد نے بتایا کہ ہمارے یہاں تینوں شعبے موجود ہیں جہاں گیارہویں اور بارہویں جماعت میں کل طلبہ و طالبات کی تعداد 1500 کے قریب ہے جب کہ ٹیچروں کی تعداد صرف چار ہے۔ ایسے میں امتحان سے قبل نصاب مکمل کروانا ٹیچروں کے لیے ایک بڑا چیلنج ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ٹیچروں کی کمی کے سبب بچوں کے نتائج پر اثر پڑتا ہے۔ بہرکیف ریاست میں اردو میڈیم اسکولوں کی تعداد تقریباً 175 ہے ان میں پرائمری، سکنڈری اور ہائر سکنڈری بھی شامل ہیں۔ دوسری طرف اردو میڈیم اسکولوں میں ایس سی اور ایس ٹی کوٹہ بھی اہم مسئلہ ہے جسے ختم کرنے کے لیے پارلیمنٹ میں بل لایا گیا تھا لیکن تین برسوں میں موجودہ حکومت کے ممبر پارلیمنٹ نے بھی آواز نہیں اٹھائی۔ مغربی بنگال کے علاوہ دیگر ریاستوں میں بھی ایس سی، ایس ٹی کوٹہ ایک بڑا مسئلہ ہے۔ اگر اردو میڈیم اسکولوں کو اقلیتی ادارے کا درجہ مل جائے تو سبھی مسئلے حل ہو جائیں گے مگر اس کی امید کم ہے۔

(آبشار، کلکتہ)

مقامی افسران اردو اساتذہ کا استحصال کر رہے ہیں

علی گڑھ (۲۸ مئی)۔ اترپردیش ٹیچرس ایسوسی ایشن علی گڑھ ریجن کے سابق صدر کنور نسیم شاہد نے ضلع انتظامیہ کو سپرد کی گئی ایک عرضداشت میں کہا ہے کہ مقامی افسران اردو اساتذہ کا استحصال کر رہے ہیں۔ اس سے قبل وہ کئی عرضداشت ضلع مجسٹریٹ کے توسط سے صوبائی وزرا کو دیتے رہے ہیں جس کے بعد تحقیقات کے احکام صادر ہوئے ہیں۔ سابق ضلع مجسٹریٹ راجیو روتیلا نے گزشتہ سال ۲۰ ستمبر کو ضلع ایجوکیشن افسر سے اور اسی سال ۱۳ جنوری کو اے ڈی ایم (ڈویژن) سے رپورٹ طلب کی لیکن اس پر کوئی عمل درآمد نہیں ہوا۔ کنور نسیم شاہد نے مطالبہ کیا ہے کہ کسی غیر جانب دار آفیسر کے ذریعے مذکورہ معاملے میں مقررہ وقت کے تعین کے ساتھ تحقیقات کرائی جائے۔ تحقیق کے مطابق قصوروار افسران کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

اردو اسکولوں میں غیر اردو داں ہیڈ ماسٹروں کی بحالی سے ضلع بیگوسرائے میں اردو کا وجود خطرے میں

بیگوسرائے (یکم جون)۔ ضلع میں اردو اسکولوں کا حال دن بہ دن خستہ ہوتا جارہا ہے۔ اس کی خاص وجوہ میں سے ایک اردو اسکولوں میں ہیڈ ماسٹر کے عہدے پر غیر اردو داں ٹیچروں کا قبضہ ہے۔ ایسی صورت حال میں وہ اس زبان کی ترویج و تشہیر میں معاون ثابت ہونے کے بجائے اس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کررہے ہیں۔ ذرائع بتاتے ہیں کہ ضلع کے 90 فیصدی اردو اسکولوں میں غیر اردو داں ہیڈ ماسٹرز سمیت کافی تعداد میں ٹیچر بحال ہیں، جو نہ تو اردو پڑھ سکتے ہیں اور نہ لکھ سکتے ہیں۔ اس کا خمیازہ اردو اسکولوں میں زیر تعلیم لاکھوں بچوں کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ ذرائع بتاتے ہیں کہ حکومت کی جانب سے مفت ملنے والی کتابیں ہوں یا دیگر اشیاء، اردو کی جانکاری نہیں ہونے کی وجہ سے ہیڈ ماسٹر بلاک یا ضلع دفاتر سے ان کو حاصل ہی نہیں کرتے ہیں اور کرتے بھی ہیں تو ایسے وقت میں جب سیشن اختتام پذیر ہونے لگتا ہے۔ نتیجتاً مارکیٹ میں وہ کتابیں ملتی نہیں ہیں جس کی وجہ سے بچے بغیر پڑھے ہی کلاس در کلاس پاس ہوتے چلے جاتے ہیں۔

قابل غور ہے کہ جب طلبا ایک سے آٹھ تک کچھ بھی نہیں پڑھ سکتے ہیں تو وہ نویں درجے میں فیل ہونے کے بعد تعلیم کو ترک کردیتے ہیں۔

(اردو ایکشن۔ بھوپال)

اردو میڈیم سرکاری ہائی اسکول کے قیام کا مطالبہ

گولار، کرناٹک (۲۳ مئی)۔ محکمہ تعلیمات کے کمشنر جناب محمد محسن نے ڈی ڈی پی آئی آفس کے کانفرنس ہال میں ضلعی سطح پر شکایت عدالت کا اجتماع کیا تھا جس کے تحت تعلیمی فروغ کے لیے حکومت کی جانب سے مرتب کردہ قوانین پر عمل دوامی میں کن کن افسران سے کہاں کہاں چوک ہوئی ہے اس کا جائزہ لیا گیا نیز ضلع بھر کے اساتذہ اور والدین سے شکایتیں وصول کرکے جائز مطالبات کو فوری طور پر منظوری دے دی گئی اور صد فیصد تعلیمی فروغ کے لیے کام کرنے کی ہدایت بھی دی گئی۔ اس موقعے پر صدر کرناٹک جناب شیخ ذبیح الدین نے محمد محسن صاحب کو شال اور گلدستہ پیش کرکے استقبال کیا اور ایک میمورنڈم پیش کیا، جس میں یہ واضح کیا گیا تھا کہ کولار میں مسلمانوں کی کثیر آبادی ہے اور اکثر والدین اپنے بچوں کو ساتویں جماعت کامیاب ہونے کے بعد اردو ذریعہ تعلیم کے سرکاری ہائی اسکول میں داخلے کی تمنا رکھتے ہیں مگر ایسے اسکول کمیاب ہونے کی وجہ سے رحمت نگر، مدنی نگر اور نور نگر جیسے کثیر آبادی والے محلوں کے طلبہ ترک تعلیم کررہے ہیں خصوصاً لڑکیوں کی تعداد زیادہ ہے لہٰذا جناب ذبیح الدین نے کمشنر صاحب سے یہ گزارش کی کہ شہر کولار میں اسی سال سے ہی ایک اردو میڈیم سرکاری ہائی اسکول منظور کیا جائے جس کے لیے متعلقہ محکمے کے سرکاری ہائر پرائمری اسکول میں مناسب جگہ ہے جہاں سات عمدہ کمروں کے علاوہ کھیل کا میدان، باورچی خانہ اور پانی کا بہتر انتظام ہے۔ اس مطالبے کو قبول کرتے ہوئے کمشنر محمد محسن نے ضلعی افسران کو ہدایت دی کہ اردو میڈیم ہائی اسکول کے قیام کے سلسلے میں ضروری اقدام کریں تاکہ اسے حکومت سے منظوری حاصل ہوسکے۔ اس موقعے پر ایک اخباری بیان میں صدر کرناٹک نے کہا کہ محکمہ تعلیمات کے کمشنر محمد محسن نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے محکمے میں منفرد پہچان بنائی ہے لہٰذا موصوف کا ضلع کولار کا دورہ اردو والوں کے لیے بہت کارگر ثابت ہوگا اگر ایک بھی اردو ہائی اسکول منظور ہوجائے۔

(سالار۔ بنگلور)

اترپردیش اردو اکیڈمی کے صدر

منور رانا مستعفی

لکھنؤ (۲۹ مئی)۔ نامور شاعر جناب منور رانا نے اترپردیش اردو اکیڈمی کی صدارت سے آج استعفیٰ دے دیا اور اکیڈمی کے چیئرمین پر اپنے کام میں داخل اندازی کا الزام عائد کیا۔ منور رانا نے کہا کہ میں نے اپنا استعفیٰ چیف منسٹر اکھلیش یادو کو پیش کیا ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ عہدہ سنبھالتے وقت میں نے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں اردو کی خدمت میں ناکام ہوجاؤں گا تو سبکدوش ہوجاؤں گا۔ مجھے میرے ہی ساتھیوں نے کام کرنے کا موقع نہیں دیا۔ جو کچھ میں کرنا چاہتا تھا وہ ناکام بنا دیا گیا۔ مجھے فیصلہ سازی کے عمل میں شامل کرنے تو کجا مجھے اکیڈمی کے کاموں کے بارے میں بھی کوئی اطلاع نہیں دی گئی۔ منور رانا نے الزام عائد کیا کہ ان حالات میں ان کے لیے استعفیٰ دینے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔ منور رانا اسی سال فروری میں اردو اکیڈمی کے صدر کے عہدے پر فائز ہوئے تھے۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی کے تعلیمی وظیفے

نئی دہلی (پریس ریلیز) ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی نے تعلیمی سال کے لیے قرض وظیفے جاری کرنے کے واسطے درخواستیں طلب کی ہیں۔ صرف وہی مسلم طلبہ و طالبات درخواست بھیجنے کے مجاز ہوں گے جنھوں نے دسواں درجہ (میٹرک)، بارہواں (انٹر) یا اس کا مساوی امتحان یا گریجویشن کم از کم 60 فیصد نمبروں سے پاس کیا ہو۔ جن طالب علموں کے نمبر اپنی اپنی ریاستوں میں درخواست دینے والے طلبہ میں سب سے زیادہ پائے جائیں گے، صرف ان ہی انڈر گریجویٹ اور غیر پیشہ ورانہ کورسز والے طلبہ و طالبات کو اکتوبر ۲۰۱۴ء میں کسی وقت سوسائٹی کے خرچ پر دہلی بلایا جائے گا۔ دہلی میں دو دن قیام کے دوران ان کا انگریزی اور معلومات عامہ (جنرل نالج) میں امتحان اور انٹرویو لیا جائے گا۔ پیشہ ورانہ کورسز والے طلبہ و طالبات کو امتحان اور انٹرویو دینے کے لیے دہلی آنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ ان کا انتخاب ان کے نمبروں کی بنیاد پر کیا جائے گا۔ انھیں صرف درخواست فارم کے ساتھ مطلوبہ دستاویزات (مارکس شیٹ، بونا فائڈ اسٹوڈنٹ سرٹیفکیٹ اور ماہانہ آمدنی کا سرٹیفکیٹ) کو سوسائٹی کے پتے پر ارسال کرنا ہوگا۔ وظیفوں کا فیصلہ اسکالرشپ کمیٹی کرے گی۔ جو طلبہ و طالبات وظیفے کے حق دار ٹھہریں گے ان کو ایک بانڈ بھر کر دینا ہوگا کہ تعلیم مکمل کرلینے کے زیادہ سے زیادہ دو سال کے بعد سے قرض وظیفے کی رقم وہ بہ ماہ (اگر چاہیں تو ایک مشت بھی) ان ہی قسطوں میں واپس کرنا شروع کردیں گے جن قسطوں میں وہ ان کو دی گئی تھی۔ وظیفہ پانے والے طلبہ کی تعلیمی پیش رفت کا ہر سال احتساب ہوگا اور اگر رفتار اطمینان بخش پائی گئی تو وظیفے کی تجدید کی جائے گی۔ وظیفے کا فیصلہ کرتے وقت صلاحیت اور مالی حالت دونوں کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

غیر مسلم طلبہ کو یہ وظیفہ نہیں دیا جاتا ہے۔ وظیفے کی اسکیم سوسائٹی کے سابق صدر مرحوم حکیم عبدالحمید صاحب کے ایما پر (موجودہ صدر جناب عبدالمعید صاحب) اس لیے جاری کی گئی تھی کہ ہندوستانی مسلمان جو تعلیم میں پیچھے ہیں انھیں تعلیمی میدان میں آگے لایا جائے اور ان میں مقابلے کا جذبہ پیدا کیا جائے تاکہ وہ تعلیمی پس ماندگی سے نکل کر ملک کی ترقی میں زیادہ موثر کردار ادا کرسکیں۔

جو مسلم طلبہ یہ وظائف پانے کے خواہش مند ہیں اور جن کا ارادہ ہے کہ وہ تعلیم کا سلسلہ عصری تعلیم کے کسی تسلیم شدہ ادارے میں کم از کم ۲۰۱۴-۲۰۱۵ء کے تعلیمی سال تک جاری رکھیں گے۔

مندرجہ ذیل ویب سائٹوں سے درخواست فارم ڈاؤن لوڈ کرسکتے ہیں:

www.hamdardeducationsociety.org
www.hamdardeducationsociety.in
www.hamdardstudycircle.org
www.hamdardstudycircle.in
www.hamdardcoachingcentre.org
www.hamdardcoachingcentre.in

یا سکریٹری ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی، تعلیم آباد، سنگم وہار، نئی دہلی پن کوڈ ۱۱۰۰۶۲ کے نام ڈاک ٹکٹ لگا کر درخواست فارم منگوا سکتے ہیں۔ بھرے ہوئے فارم ۳۰ اگست ۲۰۱۴ء تک وصول کیے جائیں گے۔ تاخیر سے آنے والی درخواستوں پر غور ممکن نہ ہوگا۔

ہائر سکنڈری امتحان میں کلکتہ کے اردو میڈیم اسکولوں کے تشفی بخش نتائج

کلکتہ (۳۰ مئی)۔ مدھیامک کی طرح ہائر سکنڈری امتحانات 2014 میں کلکتہ کے اردو میڈیم اسکولوں نے تشفی بخش نتائج کا مظاہرہ کیا ہے۔ اگرچہ ریاست گیر پیمانوں میں اردو میڈیم اسکولوں کے طالب علم جگہ نہیں بنا سکے لیکن کامیابی کی شرح اچھی رہی۔ اسلامیہ ہائی اسکول کا 93 فیصد رزلٹ رہا۔ 171 طالب علموں نے امتحان میں شرکت کی، جس میں 158 کامیاب ہوئے۔ 51 طالب علم فرسٹ ڈویژن سے سرفراز کیے گئے۔ محمد امتیاز 408 نمبرات کے ساتھ اسکول ٹاپر رہا، جب کہ محسن اقبال اور افضل کیسر نے بالترتیب 402 اور 401 مارکس کے ساتھ دوسری اور تیسری پوزیشن لانے میں کامیاب رہے۔ انجمن اسلامیہ گرلز ہائر سکنڈری اسکول کے 160 امیدواروں میں سے 131 طالبات پاس ہوئیں۔ کل نتیجہ 81.8 فیصد رہا۔ ام کلثوم، نصرت آفرین اور عائشہ خاتون نے بالترتیب 395، 362 اور 361 ٹاپ تھری میں شامل ہیں۔ وہیں دوسری جانب انجمن گرلز ہائی اسکول نے گزشتہ سال سے اس سال بہتر رزلٹ حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ 94 فیصد نتائج پر اسکول اساتذہ کافی خوش ہیں۔ انجمن مفید الاسلام گرلس ہائی اسکول کا رزلٹ 87 فیصد رہا۔ سلطانہ جہاں 380 (76 فیصد)، ترنم جہاں 373 (74.2 فیصد) اور افروز خاتون 353 (70 فیصد) بالترتیب اول، دوم اور سوم مقام پر رہیں۔ کل 166 طالبات میں سے 145 طالبات کامیاب ہوئیں۔ نیو گرلز انجمن غریب المسلمین ہائی اسکول سے کل 122 طلبہ و طالبات امتحان میں شریک ہوئے، جس میں سے 113 طلبہ پاس ہوئے۔ کل نتائج 93 فیصد رہا۔ 430 (86 فیصد) لاکر محمد سعید انصاری اسکول ٹاپر رہا، جب کہ 425 (85 فیصد) مارکس کے ساتھ محمد واصف انصاری دوسری پوزیشن پر رہا۔ ہائر سکنڈری امتحان 2014 کا جو نتیجہ شائع ہوا ہے کونسل کی فراہم کردہ لسٹ کے مطابق محمد جان ہائی اسکول کے 258 طلبہ میں سے 176 طالب علم کامیاب ہوئے۔ اسلامیہ ہائی اسکول کا نتیجہ کہا جاتا ہے کہ بہتر ہے جس میں 158 طلبہ میں سے 115 نے کامیابی کا میدان مارا اور 23 کے حصے میں ناکامی آئی۔ دونوں ہی اسکولوں کے چند طالب علموں کے نتائج ظاہر نہیں کیے گئے ہیں اور ان کو hold کیا جاتا ہے۔

(اخبار مشرق۔ کلکتہ)

رشید ولے نہ از دل ما

مغربی بنگال کے مشہور و ممتاز شاعر اور ہوڑہ میں تعلیم کے فروغ کی تحریک کے اہم کارکن جناب شاکر ندیم کا ۲۸ جون ۲۰۱۴ء کی صبح پارک سرکس میں واقع ان کی رہائش گاہ پر انتقال ہوگیا۔ وہ 84 برس کے تھے۔ مرحوم کے پس ماندگان میں بیوہ کے علاوہ دو بیٹے اور چار بیٹیاں شامل ہیں۔ شاکر ندیم کا اصل نام سرفراز احمد خان تھا۔ ان کے آبا کا تعلق بچھروٹے کوہاٹ گاؤں سے تھا مگر ان کی پیدائش اور پرورش ہوڑہ میں ہوئی تھی۔ وہ ہوڑہ کی سماجی اور ادبی زندگی میں پوری طرح شریک رہے۔ ۱۹۹۰ء میں ہوڑہ مسلم ہائی اسکول کی زبوں حالی کی وجہ سے دیگر چھوٹوں کے ساتھ شاکر ندیم متحرک ہوئے اور سابق ضیوں ایک کمیٹی بنائی جس نے ہوڑہ مسلم ہائی اسکول کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لیا۔ بعد میں شاکر ندیم نے علاوہ ہوڑہ گرلز اسکول کو قائم کیا۔ وہ راشٹر یہ سرکل ہوڑہ کے بھی جنرل سکریٹری تھے۔ شاکر ندیم پرگو شاعر تھے اور روزنامہ 'آزاد ہند' میں کمیں کالم بھی لکھتے تھے۔ مغربی بنگال میں محکمۂ اوقاف سے چار سال قبل ریٹائر ہوئے تھے۔ ذیابیطس کے مریض تھے اور تقریباً چار سال سے مسلسل ڈائلیسس پر تھے۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام مجلہ : ادبی گزٹ
مرتب : ڈاکٹر ایم نسیم اعظمی
اشاعت : ۲۰۱۳ء
ضخامت : ۳۳۲ صفحات
قیمت : ۱۵۰ روپے
ملنے کا پتہ : مدینہ پبلی کیشنز،
ڈومن پورہ، کسباری
مئو ناتھ بھنجن 275101
تبصرہ نگار : ابوالوفا صدیقی

ڈاکٹر ایم نسیم اعظمی کی ادارت میں شائع ہونے والا عالمی اردو مجلہ 'ادبی گزٹ' نمبر ۵ شائع ہوگیا ہے۔ یہ مجلہ حسب روایت گوناگوں ادبی نگارشات سے مزین ہے، جس میں پُر مغز اداریہ کے علاوہ 'خیال اپنا اپنا' عنوان کے تحت 11 معتبر علمی و ادبی شخصیات کے تاثراتی مراسلات شامل ہیں۔ ڈاکٹر محبوب راہی کی مناجات باری تعالیٰ، شارق عدیل کی دو حمد اور دو نعتیہ رباعیات، ڈاکٹر صابر مرزا کی ایک حمد اور سعید رحمانی کی ایک نعت کے ساتھ ہی بیں علمی، ادبی اور تنقیدی مضامین، ساتھ منظوم تخلیقات، گیارہ افسانے، ایک انشائیہ اور بیشتر کتابوں پر تبصرے اور وفیات نے اس مجلے کو ادبی لحاظ سے کافی اہمیت کا حامل بنادیا ہے۔

'ادبی گزٹ' نمبر ۵ کا سرورق بڑا معنی خیز ہے۔ یہ مرتب کی علمی و ادبی فکر کا عکاس ہے کیوں کہ ڈاکٹر ایم نسیم اعظمی اردو کو محض شعر و شاعری اور خالص ادبی زبان کے بجائے اس کی علمی اور ہمہ جہتی کے قائل ہیں۔ چنانچہ سرورق پر لائبریری اور کتب خانے میں اساتذہ اور طلبہ کو زیر مطالعہ دکھایا گیا ہے تو دوسری طرف ایک کتاب کی دوکان پر کتابیں خریدتے ہوئے لوگ اور ایک طرف کتابیں پڑھتے ہوئے بچے، اس طرح 'ادبی گزٹ' اردو زبان کی ہمہ جہت ترقی کا نمائندہ مجلہ ہے۔

'ادبی گزٹ' میں تمام مشمولات کو بڑے ادبی انداز میں ترتیب دیا گیا ہے جس سے مرتب کے ادبی وصحافتی ذوق کی کارفرمائی نمایاں ہوتی ہے۔ کتابت، طباعت بھی خوب ہے۔ کہیں کہیں کتابت کی خامیاں بھی راہ پاگئی ہیں۔ پروف ریڈنگ پر مزید توجہ کی ضرورت ہے۔ قلم کاروں میں مشہور اور سینئر کے ساتھ ساتھ نوجوان تخلیق کاروں کو بھی اہمیت دی گئی ہے جو خوش آئند بات ہے۔ 'ادبی گزٹ' معاصر ادب کی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے اور اچھی و معیاری نگارشات و تخلیقات سے پُر ہے۔ امید کہ حسب سابق 'ادبی گزٹ' نمبر ۵ بھی اردو کے علمی و ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور ذوق و شوق سے پڑھا بھی جائے گا۔

○○○

نام کتاب : ایسا نہیں تھا وہ
مصنف : کمال احمد
ضخامت : ۳۰۷ صفحات
قیمت : ۵۰۰ روپے
ناشر : مغربی بنگال اردو اکادمی
تبصرہ نگار : ثمر جہاں
samarjahan2007@gmail.com

'ایسا نہیں تھا وہ' محب اردو کمال احمد کا چھٹا ڈرامائی مجموعہ ہے، جو چھ طبع زاد ڈراموں پر مشتمل ہے۔ کمال احمد صاحب کا تعلق مغربی بنگال سے ہے۔ اس سے قبل ان کے دو ڈرامائی مجموعوں کو بہار اردو اکادمی نے ایوارڈ سے نوازا ہے۔ ان کی سماجی و سیاسی بصیرت معاشرے میں پھیلی ہوئی بدامنی اور سیاسی حکمرانوں کے سیاہ کارناموں سے عوام کو باخبر کرتی ہے۔ مجموعے کا پہلا ڈرامہ "تجاوز" ایک ایسے ماسٹر کی کہانی ہے، جو اردو زبان کی بقا کے لیے از خود اپنی مستقل نوکری چھوڑ کر ایک مشنری اسکول کے بچوں کو اردو پڑھانے کے لیے عارضی نوکری کر لیتا ہے اور یہاں اردو کی مستقل استاد کی بحالی کے لیے آواز اٹھاتا ہے تو وہ لوگ جو اردو زبان کی ترقی کے خلاف ہیں اسے نوکری سے بے دخل کرا دیتے ہیں۔ دوسرا ڈرامہ 'اردو کی روٹی' بھی اسی موضوع کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ جہاں اردو زبان کی ترقی کی راہ میں پیش آنے والے مسائل کی نشان دہی ایک عورت کے وسیلے سے علامتی انداز میں کی گئی ہے۔ ڈرامہ 'ایسا نہیں تھا وہ' آج کے معاشرے میں بے روزگاری کے مسئلے کو اجاگر کرتا ہے۔ ڈرامے کا مرکزی کردار انو عرف انوارالحسن ہے جو پڑھا لکھا نوجوان ہے نوکری کی تلاش کرتا ہے۔ جہاں نوکری ملتی ہے وہاں اس کے پاس سفارش نہیں ہوتی۔ حالات کی مار سے وہ چور بن جاتا ہے۔ جیل کی ہوا کھانے کے بعد وہ توبہ کرتا ہے اور اچھا سوچا کام کرنا چاہتا ہے لیکن یہاں بھی اسے پولس کو کمیشن دینا پڑتا ہے اور نہ دینے کی صورت میں پھر جیل میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اب اس کا نام جیل کے ریکارڈ میں مجرموں کی فہرست میں درج ہو جاتا ہے۔ جیل کی سزا کاٹ کر وہ نیک بن کر جینا چاہتا ہے لیکن جیل کے بڑے بڑے لیڈر اور جو سیاسی رہنماؤں سے ملے ہوتے ہیں، وہ انو کو اپنے مفاد کی خاطر چوری کرنے کے لیے مجبور کرتے ہیں۔ انو اس چوری کے لیے کسی نہ کسی طرح سے تیار ہو جاتا ہے اور آخر میں ایک بریف کیس میں ٹائم بم فٹ کر کے لاتا ہے اور اپنے ساتھ ان سیاسی رہنماؤں کی بھی جان لینے سے گریز نہیں کرتا۔ اس طرح اپنی جان کی قربانی دے کر وہ ملک کی عوام کو سیاسی بھیڑیوں کے چنگل سے آزاد کرا دیتا ہے۔ اسی طرح ڈرامہ 'چکر' بھی سیاسی رہنماؤں پر گہرا طنز کرتا ہے اور سیاسی رہنماؤں کے چہرے سے نقاب کو ہٹاتا ہے۔ ڈرامہ 'چکنے' عصر حاضر میں ٹوٹتے بکھرتے رشتوں اور اخلاقی قدروں کے زوال کی جانب بھی اشارہ کرتا ہے جو نو (9) کرداروں پر مشتمل ہے۔ اس میں مرکزی کردار طاہرہ بیگم کی لڑکی کا ہے جس کے والد اس کا سوئمبر رچاتے ہیں جس میں ایسے لڑکے شرکت کرتے ہیں جو اخلاقی و روحانی قدروں سے بے بہرہ ہیں اور اس طرح مصنف ہمیں عصر حاضر کے نوجوانوں کی ذہنی سوچ میں بھی مفاد پرستی اور خود غرضی کے جذبات سے روشناس کراتے ہیں۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ڈرامے عصر حاضر کے تھیٹر کی ضرورت کے تحت لکھے گئے ہیں جو نوجوان نسل کو بیدار کرتے ہیں جس کے لیے مصنف مبارکباد کے مستحق ہیں۔ امید ہے کہ ان کا یہ ڈرامائی مجموعہ ادبی حلقے میں پذیرائی حاصل کرے گا۔

○○○

بقیہ: محسنات شعر

صفحہ 8 سے آگے

کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

اسی طرح "ایک فلسفہ زادہ سید زادہ کے نام" سے جو نظم "ضرب کلیم" میں شامل ہے اس میں خاقانی کا مشہور شعر آخر میں اس خوبی سے جڑا ہے جیسے انگشتری میں نگینہ جڑ دیا گیا ہو، لکھتے ہیں:

افکار کے نغمہ ہائے بے صوت
ہیں ذوق عمل کے واسطے موت

—

دیں مسلک زندگی کی تقویم
دیں سر محمد و براہیم
دل در سخن محمدی بند
اے پور علی ز بوعلی چند

—

چوں دیدۂ راہ بیں نہ داری
قائد قرشی بہ از بخاری
(خاقانی)

'ارمغان حجاز' میں ام کلثوم کے اس قصیدے کا ایک شعر تضمین کیا ہے جو 'سبعہ معلقہ' میں شامل ہے:

صبنت الکاس عنا ام عمرو
وکان الکاس مجراہا الیمینا
اگر این است رسم دوستداری
بدیوار حرم زن جام و مینا

'ارمغان حجاز' ہی میں مرزا جانجاناں کی بیاض 'خریطۂ جواہر' میں سے ایک شعر تضمین کیا ہے کہ اس کا عالم دیدنی ہے:

غریب شہر ہوں میں سن تو لے مری فریاد
کہ تیرے سینے میں بھی ہوں قیامتیں آباد
مجھے ہے مجھ کو زمانے کی کور ذوقی سے
بکتا ہے مری محنت کو محنت فرہاد
صدائے تیشہ کہ بر سنگ می خورد دگر است
خبر بگیر کہ آواز تیشہ و جگر است

'بانگ درا' میں 'عبدالقادر کے نام' جو نظم ہے وہ ایک فارسی شعر پر ختم ہوتی ہے جو گویا نظم کے تمام افکار و تصورات کا خلاصہ پیش کرتا ہے:

شمع کی طرح جئیں بزم گہ عالم میں
خود جلیں دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں
ہر چہ در دل گذرد وقف زبان دارد شمع
سوختن نیست خیالے کہ نہاں دارد شمع

'بانگ درا' میں جوانان اسلام سے خطاب کرتے ہوئے غنی کا ایک شعر اقبال نے نقل کیا ہے جس کی برجستگی کی کیفیت بیان میں نہیں آتی:

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں ہے جس کا تو ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاج سر دارا
تمدن آفریں خلاق آئین جہاں داری
وہ صحرائے عرب یعنی شتربانوں کا گہوارا
غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا

دو کیا گردوں ہے جس کا تو ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا
غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

حواشی:

۱۔ صحیفہ نمبر System of Referend
۲۔ مکتبہ جامعہ دہلی، بار دوم، صفحات ۲۹۰-۲۵۷
۳۔ علم بدیع کے ماہر رعایت لفظی کا ذکر بھی نہیں کرتے نہ رعایت لفظی کوئی صنعت ہے۔ ہوا یہ ہے کہ جوں جوں بدیع سے واقفیت کم ہوتی گئی ہے رعایت لفظی کے معانی میں وسعت پیدا ہوتی چلی گئی ہے، یہاں تک کہ اب پڑھے لکھے لوگ بھی اسے صنعت خیال کرتے ہیں اور لفظوں کی شعبدہ کاری یا لفظوں کا کھیل نظر آتا ہے اس صنعت کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رعایت لفظی کی جتنی مثالیں یوسف حسین خاں صاحب نے دی ہیں وہ (بھی ہوں یا نہ ہوں) مراعات النظیر، مبالغہ، تجنیس، شبہ اشتقاق، ایہام تناسب یا کسی اور صنعت کی تعریف میں آتی ہیں۔
۴۔ بہ قطع ویقین دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ شعر کی اصل صورت یہی ہے، شاعر کا نام بھی معلوم نہیں۔
۵۔ تضاد اور مراعات النظیر کا رنگ داغ کے ان اشعار میں دیکھیے گا:

وہ کیا چارہ گری کافی کریں گے
یہی نہ کہ شیریں کلامی کریں گے
اطاعت میں انکار خاصی کریں گے
ہمیں بندہ پرور غلامی کریں گے
کریں آپ سے ہم وفا توبہ توبہ
وہ کوئی کریں گے یہ شاعی کریں گے

۶۔ کسی کا کیا اچھا شعر ہے:

دانہ کھانے ہوئے آدم کو زمانہ گزرا
بنتے ہیں دیکھ کے اب تک لب گندم بجھو کو

●◆●

بقیہ: اردو شاعری کے کچھ مشہور گھرانے

صفحہ ۳ سے آگے

جاں نثار اختر کی انتہائی ذہین اور قلم کی دھنی بیوی صفیہ اختر کے نام سے بھی مشہور تھیں۔ صفیہ مرحوم اردو شاعری کے کنگ اسرار الحق مجاز کی ہمشیرہ تھیں، انھوں نے اپنی زندگی میں اپنے شوہر کو جو درد میں ڈوبے خطوط لکھے تھے انھیں ان کے انتقال کے بعد 'زیر لب' کے عنوان سے شائع کر دیا گیا۔ جاں نثار اختر کے دو بیٹے ہوئے، دونوں بقید حیات ہیں اور اپنے شاعرانہ گھرانے کی توقیر میں چار چاند لگانے میں مصروف ہیں۔ دونوں بیٹوں میں ایک کا نام جاوید اختر ہے اور دوسرے کا سلمان اختر۔ سلمان اختر کے بارے میں ہم اتنا ہی بتا سکتے ہیں کہ انھوں نے انگریزی شاعری کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی شاعری کی ہے اور ان کی اردو شاعری کا ایک مجموعہ 'کوبہ کو' شائع ہوا ہے لیکن بدقسمتی سے راقم السطور کی نظر سے وہ مجموعہ نہیں گزرا۔ جہاں تک جاوید اختر کا معاملہ ہے تو ان کی کثیر الجہات شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ انھوں نے شعر و ادب کی دنیا سے لے کر فلم کی دنیا تک اپنی شہرت اور مقبولیت کے جھنڈے گاڑ دیے ہیں۔ انھوں نے جن جن فلموں کی کہانیاں لکھیں ان فلموں نے پردے پر نمائش کی دھومیں مچا دیں۔ اسی طرح جن فلموں کے لیے نغمے لکھے وہ فلمیں ان کے حسین و جمیل نغموں کے سبب کامیاب ہوئیں۔ ہندستان کی سیاسی و سماجی زندگی میں بھی ان کے خیالات کو وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ انھیں بہت سارے انعامات و اعزازات حاصل ہو چکے ہیں۔ ان کے کلام کا مجموعہ 'ترکش' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ وہ نظمیں بھی لکھتے ہیں اور غزلیں بھی، لیکن غزل گوئی میں ان کا ذہن سرعت سے چلتا ہے۔ نمونے کے طور پر ان کی غزلوں سے چند اشعار برائے مطالعہ پیش کیے جاتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

اگر پلک پہ ہے موتی تو یہ نہیں کافی
ہنر بھی چاہیے الفاظ میں پرونے کو
یہ زندگی بھی عجب کاروبار ہے کہ مجھے
خوشی ہے پانے کی کوئی نہ رنج کھونے کو

اب تک ہے کوئی بات مجھے یاد حرف حرف
اب تک میں چن رہا ہوں کسی گفتگو کے پھول
میرے لہو کا رنگ ہے ہر نوک خار پر
صحرا میں ہر طرف ہیں مری جستجو کے پھول

سب کی خاطر ہیں یہاں سب اجنبی
اور کہنے کو ہیں گھر آباد سب
چار لفظوں میں کہو جو بھی کہو
اس کو کب فرصت سنے فریاد سب

— اردو شاعری کے مشہور گھرانوں میں ایک بڑا گھرانا دعا ڈبائیوی کا گھرانا بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔ دعا ڈبائیوی کا پورا نام مرتضیٰ حسین دعا ڈبائیوی تھا۔ علی گڑھ کے ایک قریبی گاؤں ڈبائی میں ۱۲ر جون ۱۹۰۰ء کو وہ پیدا ہوئے۔ تقسیم ملک کا جو المناک واقعہ پیش آیا اس نے مشترکہ ہندستان کے بہت سے گھرانوں کے افراد کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ ایسے منتشر ہندستانی خاندانوں میں دعا ڈبائیوی کا خاندان بھی شامل تھا۔ ۱۹۶۵ء کے آس پاس خود دعا ڈبائیوی پاکستان سدھار گئے۔ دعا صاحب کے بھتیجے امید فاضلی نے بھی ہجرت کی اور پاکستان کے معتبر شہر کراچی میں سکونت اختیار کی۔ پاکستان کے مشہور شاعروں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ دعا ڈبائیوی بھی اپنے عہد کے مشہور شاعر تھے، نوح ناروی کے دو ارشد تلامذہ میں گنے جاتے تھے۔ اردو شاعری کی تقریباً سبھی اصناف میں انھوں نے طبع آزمائی کی۔ ان کی شاعری کے مجموعے 'تصویر دعا'، 'تاثیر دعا' اور 'تنویر دعا' کے نام سے شائع ہوئے۔ ان شعری مجموعوں نے ان پر شہرت کے دروازے وا کر دیے۔ ان مجموعوں میں دعا ڈبائیوی کی نعتیں، غزلیں، رباعیاں، نظمیں اور قطعات وغیرہ شامل ہیں۔ پیش ہے ان کی ایک مشہور غزل کے دو اشعار، ملاحظہ فرمائیں۔

مرا قصور تھا نہ تمھارا قصور تھا
قسمت میں جو لکھا تھا وہ ہونا ضرور تھا
دیکھا نہ دل کو اور سر طور چل دیے
موسیٰ تمھارے پاس تو خود کوہ طور تھا

اب آیئے ان کا ایک خوب صورت قطعہ دیکھیں جو اس طرح ہے:

چاک ہاتھ سے جگر اس طور سے سی لیتا ہوں
لطف جینے میں تو کیا خاک ہے جی لیتا ہوں
محتسب تو مجھے لل شرابی نہ سمجھ
غم غلط کرنے کو میں تھوڑی سی پی لیتا ہوں

جیسا کہ ہم نے سابقہ سطور میں عرض کیا کہ دعا ڈبائیوی کے بھتیجے امید فاضلی نے پاکستان کے مشہور شاعروں میں اپنا ایک بلند مقام بنایا۔ ان کی پیدائش بھی ان کے آبائی گاؤں ڈبائی میں ہوئی۔ قدرت نے انھیں بے پناہ شاعرانہ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ حالاں کہ انھوں نے اپنے چچا دعا ڈبائیوی کی طرح اردو کی مختلف اصناف سخن میں شاعری کی لیکن اصلاً وہ غزل گوئی سے ہی وابستہ رہے۔ آیئے ان کی غزلوں کے کچھ اشعار پر نظر ڈالتے چلیں:

یہ پوچھتی ہے دنوں سے گھروں کی ویرانی
وہ لوگ کیا ہوئے جو ہم کو پوچھتے تھے بہت

میں کس سے بات کروں کون سننے والا ہے
یہاں تو جھوٹی دعاؤں نے سر نکالا ہے

یہ سرد رات، یہ آوارگی یہ نیند کا بوجھ
ہم اپنے شہر میں ہوتے تو گھر گئے ہوتے

(باقی آئندہ)

تیسری اور آخری قسط

محسناتِ شعر

صنائع و بدائع لفظی و معنوی

فارسی میں حشو ملیح کی بہت اچھی مثال انوری کا یہ شعر ہے جو اکثر بلاغت کی کتابوں میں نقل کیا جاتا ہے (گردشِ فلک کی شکایت ہو رہی ہے اور انوری یہ بیان کر رہا ہے کہ آسمان نے اُسے ستانے کے کیسے نئے نئے طریقے ایجاد کیے ہیں، اس سلسلے میں وہ پہلے تو سیاروں کی تاثیر نحس کا ذکر کرتا ہے اور پھر آسمان کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ قصہ یہ ہے کہ جب کسی نے ہجو کی اور لکھی تو لوگوں نے اُسے انوری سے منسوب کیا اور اُسے نہایت ذلیل و رسوا کیا، کوچہ و بازار میں اس طرح لے لے کے پھرے کہ تمام شہر انوری کی رسوائی پر مطلع ہوا۔ قاضی حمید الدین نے جو کہ 'مقامات حمیدی' کے مولف ہیں، انوری کی جان چھڑائی اور انوری نے معذرت کے طور پر یہ بیان واقع کے طور پر ایک قصیدہ لکھا جو "سوگند نامہ" کہلاتا ہے، اس کا مطلع ہے:

اے مسلماناں فغاں از دورِ چرخِ چنبری
وز نفاقِ تیر و قصدِ ماہ و کیدِ مشتری

آگے چل کر کہتا ہے:

آسماں در کشتیِ عمرم کند دائم دو کار
وقتِ شادی بادبانی وقتِ اندہ لنگری

مراد یہ کہ آسمان کا کام یہ ہے کہ جب خوشی کے لمحات ہوں تو میری کشتیِ حیات کا بادبان بن جائے اور اُسے اُڑائے لیے جائے کہ لمحاتِ خوشی کے کم ہو جائیں اور جب غم و اندوہ کی کیفیت طاری ہو تو آسمان اسی کشتیِ حیات کا لنگر بن جائے، یعنی اضطراب اور اندوہ کے لمحات طویل ہو جائیں اور غم کی کیفیت شدید۔ اب حشو ملیح کی مثال والا شعر دیکھیے)

گر بہ خندم واں پس از عمریست گوید زہر خند
ور بگریم واں بہر روزے است گوید خون گری

اس شعر میں واں پس از عمریست اور بہر روزے است کے ٹکڑے حشو ملیح ہیں، بات صرف اتنی ہے کہ میں ہنستا ہوں تو آسمان کہتا ہے ہنسی تو تمہیں کیا زیب دے گی زہر خند البتہ تمہیں جچتا ہے اور روتا ہوں تو یہ ارشاد ہوتا ہے کہ آنسو بہانے سے کیا ہوگا خون دل بہاؤ کہ غم کی کیفیت بہت شدید ہے۔ مضمون نہایت خوب صورت، دل پذیر اور عالی تھا اور یہ گمان نہ گزرتا تھا کہ ابلاغ و اظہار کی خوبی میں اضافہ ہو سکتا تھا لیکن جب انوری نے ہنسنے کے ذکر کے ساتھ یہ ٹکڑا جوڑا کہ ہنسی ایک عمر کے بعد آتی ہے اب ہنسی کی شدت میں اور بھی اضافہ ہوا۔ اسی طرح رونے کے ساتھ یہ الفاظ بڑھائے کہ روز روتا ہوں تو غم کی شدت اور نمایاں ہوئی اور اردو میں اس شعر کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے تاکہ حشو نے جو کام کیا ہے اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔ حشو کے الفاظ قوسین کی اس شکل میں دکھائے گئے ہیں ( ) ---- اور تشریح معانی کے لیے میں نے جن الفاظ کا اضافہ کیا ہے اُن کے لیے قوسین کی یہ صورت اختیار کی ہے [ ]۔

کبھی جو میں (بدنصیب) ہنستا ہوں (اور عمر گزرتی ہے تو کہیں ہنسی آتی ہے) تو آسمان کہتا ہے (ہنستا کیا ہے تو) زہر خند بجا ہے (کہ تم اسی لائق ہو) اور جو کبھی (صبر و ضبط کو یارا نہیں رہتا اور) رو پڑتا ہوں (اور یہ تو روز کا دستور ہے کوئی نئی بات نہیں) تو آسمان کہتا ہے (معمولی آنسو بہانے سے کیا فائدہ) خون کے آنسو بہاؤ (تو کوئی بات بھی ہے)۔

اردو میں اس مصرعے میں "آپ کی جان سے دور" کا ٹکڑا حشو ملیح ہے اور اس قیامت کا ٹکڑا ہے کہ تعریف نہیں کی جا سکتی:

آپ کی جان سے دور آپ سے شکوہ مجھے

اقبال نے حشو ملیح سے بہت خوب صورت کام لیا ہے اور یہ صنعت کمال چابک دستی سے برتی ہے، شکوے میں کہتے ہیں:

جرأت آموز مری تابِ سخن ہے مجھ کو
شکوہ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجھ کو

خاکم بدہن کا ٹکڑا حشو ملیح ہے اور اس ٹکڑے نے نہ صرف شکوے کا جواز پیدا کر دیا بلکہ خود اقبال ہی کے الفاظ میں:

شکر شکوے کو کیا حسنِ ادا سے تو نے
ہم سخن کر دیا بندوں کو خدا سے تو نے

'بالِ جبریل' میں 'ملا اور بہشت' کے نام سے جو نظم شائع ہوئی ہے اس کے یہ دو شعر دیکھیے:

میں بھی حاضر تھا وہاں ضبطِ سخن کر نہ سکا
حق سے جب حضرتِ ملا کو ملا حکمِ بہشت
عرض کی میں نے الٰہی مری تقصیر معاف
خوش نہ آئیں گے اسے حور و شراب و لبِ کشت

مری تقصیر معاف کا ٹکڑا حشو ملیح ہے اور یہاں اس میں طنز کا ایسا خوب صورت پہلو نکل آیا ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اقبال نے نشتر کی بجائے ملا پر تلوار کا وار کیا ہو۔ اگلے اشعار میں تقصیر معاف کروانے کی وجوہ بیان کی ہیں:

نہیں فردوس مقامِ جدل و قال و اقوال
بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی سرشت
ہے بد آموزیِ اقوام و ملل کام اس کا
اور جنت میں نہ مسجد نہ کلیسا نہ کنشت

'ساقی نامہ' میں اس بات کا ذکر ہوا ہے کہ عجمی تصورات کے زیرِ اثر صوفی پر کیا بیت گئی، اقبال کہتے ہیں:

وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں مرد
محبت میں یکتا حمیت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا
یہ سالک مقامات میں کھو گیا
بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

تیسرے شعر میں 'اندھیر ہے' کا ٹکڑا حشو ملیح ہے اور غور فرمایئے کہ آگ بجھنے کے ساتھ ان کلمات کا کتنا گہرا تعلق ہے اور اس ٹکڑے کے اضافے نے معانی کی کیسی کیسی دنیائیں روشن کی ہیں۔ اسی طرح جب سر اکبر حیدری نے ایک ہزار روپے کا چیک بھیجا اور ساتھ ایک خط بھی ارسال کیا جس کا اسلوب اقبال کو پسند نہ آیا تو اس سلسلے میں انھوں نے چار شعر کہے ہیں اور تیسرے شعر کا دوسرا مصرعہ کاملاً حشو ملیح ہے:

تھا یہ اللہ کا فرماں کہ شکوہِ پرویز
دو قلندر کو کہ ہیں اس میں ملوکانہ صفات
مجھ سے فرمایا کہ لے اور شہنشاہی کر
حسنِ تدبیر سے دے آنی و فانی کو ثبات
میں تو اس بارِ امانت کو اٹھاتا سرِ دوش
(کامِ درویش میں ہر تلخ ہے مانندِ نبات)
غیرتِ فقر مگر کر نہ سکی اس کو قبول
جب کہا اس نے یہ ہے میری خدائی کی زکات

صنائعِ لفظی کے سلسلے میں اقبال نے ہمیشہ یہ نقطہ ملحوظ رکھا ہے کہ ان کے استعمال کی بابت یہی ہو کہ شعر میں دل پذیر آہنگ، نغمہ اور ترنم پیدا ہو جائے اس لیے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان سے اس وقت بحث ہو جب آہنگ شعری کے تجزیے کا مرحلہ آئے۔ ان صنعتوں کے علاوہ اقبال نے اقتباس اور تضمین کا استعمال ایسی ہنرمندی سے کیا ہے جس کی نظیر نہ اردو شاعری میں ملے گی نہ فارسی میں۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ ان کی نظر مختلف علوم و فنون پر بہت گہری تھی، تلمیحات کی طرح ان اقتباسات و تضمینات کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے لیکن بیشتر قرآن مجید، احادیث نبوی اور عربی و فارسی ادبیات سے متعلق ہیں۔ بعض اوقات اقبال کسی مشہور فارسی شعر کا ایک مصرعہ اپنے اصل معانی کے سیاق و سباق سے جدا کر کے اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ پڑھنے والے پر حیرت طاری ہو جاتی ہے۔ مثلاً امیر خسرو کا مشہور شعر ہے:

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ بر کف
بہ امید آں کہ روزے بشکار خواہی آمد

اقبال نے دوسرے مصرعے کو یوں تضمین کیا ہے:

بامید آں کہ روزے بشکار خواہی آمد
نکند شہر یاراں رم آہوانِ دارم

اسی طرح غالب آملی کا شعر ہے:

ز غارتِ چمنت بر بہار منت ہاست
کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

یہ نہایت نفیس اور دل پذیر شعر ہے اور غالب کا کارنامہ خیال کیا جاتا ہے۔ اقبال نے دوسرا مصرعہ 'ضرب کلیم' کے انتساب میں استعمال کیا ہے اور معنی کی صورت ہی بدل دی ہے:

زمانہ با امم ایشیا چہ کرد و کند
کسے نبود کہ ایں داستاں فرو خواند
تو صاحبِ نظری آنچہ در ضمیرِ من است
دلِ تو بیند و اندیشۂ تو داند
بگیر ایں ہمہ سرمایۂ بہار از من

(بقیہ صفحہ ۲ پر)

عابد علی عابد

مدیر: اطہر فاروقی
شریک مدیر: محمد عارف خاں
پرنٹر پبلشر: شاہد خاں — مطبوعہ: ثمر آفسٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲- راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
قیمت (فی شمارہ): دو روپے، سالانہ: ۸۵ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر)
Phones: 23237212, 23237214
E-mail: hamarizaban@atuh.org
http://www.atuh.org